جنگ

13تا19جولائی2011ء

مڈویک میگزین

نگرپار

ریت کا سونا کب چمکے گا؟

غربت کی دہکتی آگ میں جلتی خواتین

صنفی مساوات کا دعویٰ کرنے والے

امیر ممالک کی نظروں سے غریب خواتین اوجھل کیوں؟

فیچر

نگرپارکر

ریت کا سونا کب چمکے گا؟

فطری حُسن اور قدرتی وسائل سے مالا مال اس علاقے کی قسمت بدلنے کے لیے خود یہاں کے وسائل ہی کافی ہیں

رضوان احمد طارق

صوبہ سندھ کا ضلع تھرپارکر پس ماندگی کے لحاظ سے ملک کا بہت بدقسمت اور فطری مناظر اور قدرتی وسائل کے لحاظ سے بہت خوش قسمت ضلع ہے۔ انسانی وسائل کی ترقی کے اشاریے اسے سندھ کا پس ماندہ ترین ضلع قرار دیتے ہیں۔ دوسری جانب اس سے بہت سی ثقافتی اور سماجی روایات اور لوک داستانیں منسوب ہیں۔ اس ضلعے میں کئی خانہ بدوش قبیلے بھی آباد ہیں۔ یہ صحرائی اور پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے جس کا ضلعی صدر مقام مٹھی ہے۔ چھاچھرو، ڈیپلو، مٹھی اور نگرپارکر اس کے تعلقے ہیں۔ تعلقہ نگرپارکر کی خاص تاریخی، مذہبی اور جغرافیائی اہمیت ہے۔ اس کی سرحدیں تین جانب سے بھارت کی ریاستوں راجستھان اور گجرات سے ملتی ہیں جہاں ہندو اور جین مت کے سیکڑوں برس قدیم مندر ہیں اور دوسری جانب بھوڈیسر کے مقام پر تعمیر کی گئی تاریخی مسجد ہے۔ نگرپارکر میں جین مت کے پیروکاوں کے لیے 20 سے زائد مذہبی اور تاریخی مقامات ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کے لیے بھی یہاں چند مقدس اور تاریخی مقامات ہیں۔

نگرپارکر کی خاص کشش یہاں موجود کارونجھر کا پہاڑی سلسلہ ہے، جس کا گلابی گرینائٹ، چٹانوں کی عجیب و غریب شکلیں اور یہاں پائے جانے والے حیوانات اور نباتات ہیں۔ اس کے علاوہ نگرپارکر کے لوگ، ان کا طرزِ زندگی، سادگی، مہمان نوازی، ثقافت اور روایات بھی اپنے اندر بہت کشش رکھتی ہیں۔ کارونجھر کی ترائی میں واقع یہ تعلقہ مٹھی ٹاؤن سے 150 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور بھارت کی سرحد سے اس کا فاصلہ محض 15 کلومیٹر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ علاقہ سمندر کا حصہ تھا، جو یہاں سے گزرتا تھا۔ اسی لیے اسے ''پارکر'' کا نام دیا گیا جس کے لغوی معنی گزرگاہ کے ہیں۔ اس کے شمال میں تعلقہ چھاچھرو اور مغرب میں تعلقہ مٹھی ہے۔ اس کے مشرق میں بھارت کی ریاست راجستھان کا تاریخی شہر جودھ پور اور جنوب میں رن کچھ کا علاقہ ہے۔ نگرپارکر کا پہاڑی علاقہ ''پارکر'' کہلاتا ہے اور باقی علاقہ ریتیلا ہے، جسے ''نگر'' کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں سخت سردی اور سخت گرمی پڑتی ہے۔ کارونجھر کا پہاڑی سلسلہ دائرے کی شکل میں نگرپارکر میں 16 کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کارونجھر کا پہاڑی سلسلہ روزانہ گرینائٹ، چائنا کلے اور شہد کی شکل میں یومیہ سوا کلوگرام سونا اگلتا ہے۔ تعلقہ نگرپارکر کی کل آبادی ایک لاکھ 53 ہزار 106 نفوس پر مشتمل ہے، جس میں سے 62 ہزار 213 مسلمان اور باقی غیر مسلم، بالخصوص، ہندو ہیں۔ ماحول کے تحفظ کے لیے کام کرنے والی عالمی تنظیم آئی یو سی این اور پاکستان کی معروف غیر سرکاری تنظیم بانہہ بیلی کی دعوت پر کراچی سے تعلق رکھنے والے ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کی ٹیم نے گزشتہ دنوں نگرپارکر کا دورہ کیا۔ اس دورے کے موقع پر ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو نگرپارکر میں بانہہ بیلی کی جانب سے شروع کیے گئے بعض منصوبے بھی دکھائے گئے۔

نگرپارکر کے زیادہ تر باسیوں کا ذریعۂ معاش زراعت اور مال مویشی پالنا ہے۔ تاہم یہاں زندگی کا زیادہ تر دارومدار برسات پر ہے۔ یہاں کی روایتی فصلیں باجرہ، جوار، مونگ اور میتھی ہیں۔ اگر یہاں مون سون کی بارش نہ ہو تو قحط پڑ جاتا ہے، جو بعض اوقات کئی برس تک جاری رہتا ہے۔ یہاں صحت، تعلیم اور روزگار کی سہولتوں کی بہت کمی ہے۔ چند برس قبل تک پورے تھر میں بہت کم سڑکیں تھیں اور راستے دشوار گزار تھے اور ضلع کے زیادہ تر حصے میں سفر کے لیے روایتی ''کیکڑا'' واحد ذریعہ تھا، لیکن اب صورت حال کافی حد تک بہتر ہو گئی ہے اور مختلف علاقوں میں بسیں اور کوچز چلنے لگی ہیں۔ تاہم ''کیکڑا'' آج بھی تھر کی معیشت میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

نگرپارکر صوبہ سندھ کا آخری شہر اور رن آف کچھ کے اختتام پر واقع ہے۔ 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد نگرپارکر شہر دو برس تک بھارت کے قبضے میں رہا تھا اور شملہ معاہدے کے بعد اسے پاکستان کے حوالے کیا گیا تھا۔ نگرپارکر شہر کی مرکزی سڑک کے ساتھ اور شہر کے مرکزی بازار سے متصل جین مت کا قدیم مندر واقع ہے۔ کارونجھر کے پہاڑی سلسلے کی ترائی میں واقع اس مندر کے بارے میں ماہرین آثارِ قدیمہ کا خیال ہے کہ یہ 1375ء اور 1449ء کے درمیانی عرصے میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اسے جین مت کے راجاؤں نے شاید بہت دل چسپی لے کر تعمیر کرایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پتھروں سے تعمیر کیا گیا یہ مندر آج بہت بری حالت میں ہونے کے باوجود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ پتھروں پر تراشی گئی شکلیں، دل کش پینٹنگز اور آرکی ٹیکچر اس دور کے فن کاروں کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بتایا گیا کہ کبھی اس علاقے پر ہندوؤں اور جین مت کے ماننے والوں کی حکومت تھی۔ اس مندر کے اصل نام کے بارے میں تاریخ خاموش ہے، لیکن بازار سے متصل ہونے کی وجہ سے اس کا نام بازار ٹیمپل پڑ گیا ہے۔ نگرپارکر میں گوڑی ٹیمپل کی موجودگی کی وجہ سے مورخین کا خیال ہے کہ کبھی یہ علاقہ جین مت کے ماننے والوں کا خوش حال مرکز تھا۔ اس مندر پر سنِ تعمیر درج نہیں۔ مندر کے باہر محکمہ آثارِ قدیمہ سندھ کی جانب سے لوہے کا ایک خستہ حال بورڈ نصب نظر آیا، جس پر یہ درج ہے کہ یہ محفوظ قرار دیا گیا ورثہ ہے اور اسے نقصان پہنچانا قانوناً جرم ہے۔ تاہم محکمے کی جانب سے اس کی دیکھ بھال کا کوئی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے یہ مندر بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار نظر آیا۔ علاقے کے لوگوں کے مطابق قیامِ پاکستان کے وقت یہاں جین مت کے پیروکار رہائش پذیر تھے، لیکن بعد میں وہ بھارت کی ریاست گجرات کی طرف ہجرت کر گئے تھے، جہاں پالی کے مقام پر ان کے کافی مندر آج بھی موجود ہیں۔

مندر دیکھنے کے بعد نگرپارکر شہر کے مرکزی بازار کا رخ کیا گیا۔ کہنے کو تو وہ شہر کا مرکزی بازار ہے، لیکن وہ محض ایک ڈیڑھ گلیوں پر مشتمل ہے اور اس میں سو کے قریب دکانیں ہیں۔ یہاں پارچہ جات، کریانے اور پنساری کی دکانیں زیادہ نظر آئیں۔ پارچہ جات کی دکانوں میں تھر کے مخصوص لباس فروخت کے لیے موجود نظر آئے۔ یہاں ایک دکان دار سے گفتگو کا موقع ملا۔ اس کے مطابق کولہی، بھیل اور میگھواڑ ذات کی ہندو خواتین شوخ رنگوں کے ملبوسات زیادہ پسند کرتی ہیں، جن پر تتلی کی تصاویر اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ پیٹرن بار بار دہرایا جاتا ہے۔ تتلی والے پارچے کا مخصوص نام ''پوپٹیا'' بتایا گیا۔ اس دکان دار کے مطابق تھر میں استعمال ہونے والے ملبوسات کے رنگوں کے بارے میں یہاں کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ رنگ فطرت سے قریب ہوتے ہیں اس لیے وہ انہیں استعمال کرتے ہیں۔

نگرپارکر شہر میں آج بھی نلکے کے ذریعے بہت کم پانی ملتا ہے، لہٰذا جگہ جگہ گدھوں پر مشکیں لدی ہوئی نظر آئیں۔ مقامی لوگوں سے اس بارے میں بات کی گئی تو ان کا کہنا تھا کہ اگر یہاں کنویں نہ ہوں تو یہاں کے لوگ پیاسے مر جائیں۔ کارونجھر کے پہاڑی سلسلے کے ساتھ واقع تین چار ہزار ایکڑ اراضی میں کنوؤں کا پانی میٹھا ہے اور یہ سطحِ زمین سے 30 تا 70 فیٹ کی گہرائی پر ملتا ہے۔ اگر اس علاقے میں جگہ جگہ ری چارج ڈیمز بنا دیے جائیں تو مذکورہ رقبے پر باآسانی کاشت کاری کی جا سکتی ہے۔ تاہم بڑھتی ہوئی آبادی، فطری ماحول کی تباہی اور کاشت کاری کے ناپائے دار طریقوں کی وجہ سے یہاں کاشت کاری محدود پیمانے پر ہوتی ہے۔ بتایا گیا کہ ایک مشک پانی 10 روپے میں فراہم کیا جاتا ہے۔ نگرپارکر شہر کی کل آبادی 5 تا 7 ہزار نفوس پر مشتمل ہے اور شہر میں 45 کنویں ہیں۔

کارونجھر کے پہاڑی سلسلے میں بھوڈیسر کی تاریخی مسجد سے تھوڑے فاصلے پر بانہہ بیلی کی جانب سے 2001ء میں بنایا گیا ری چارج ڈیم دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ اس موقع پر تنظیم کے روحِ رواں جاوید جبار نے بتایا کہ یہ ڈیم 6 لاکھ روپے کی لاگت سے مئی، جون کے مہینے میں مقامی لوگوں کی مدد سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس وقت ایک مزدور کی دہاڑی یومیہ 40 روپے تھی۔ آج یہ ڈیم مرمت کا متقاضی ہے، جس کے لیے فنڈ کی ضرورت ہے۔ یہ ڈیم بننے سے آس پاس کے گاؤں میں برسات گزرنے کے کافی عرصے بعد تک زیرِ زمین میٹھا پانی دست یاب ہوتا ہے۔ برسات میں یہ ڈیم بھر جاتا ہے تو پانی اوور فلو کرتا ہے، لیکن پہلے کی طرح سارا پانی ضائع نہیں ہوتا۔ اگر حکومت توجہ دے تو نگرپارکر میں فطری طور پر ایسے چھ سات مقامات موجود ہیں، جہاں بہت کم خرچ سے ایسے ڈیمز بنائے جا سکتے ہیں۔

شہر کے مرکزی چوک میں چند کیکڑے کھڑے نظر آئے، تو دھیان فوراً ان کی طرف گیا۔ وسیم نامی ڈرائیور کے مطابق وہ پندرہ برس سے کیکڑا چلا رہے ہیں۔ انہیں ماہانہ 10 تا 12 ہزار روپے تنخواہ ملتی ہے۔ نوکوٹ سے نگرپارکر تک سڑک بننے کے بعد کیکڑے بار برداری کے لیے بھی استعمال ہونے لگے ہیں۔ وہ نوکوٹ سے سامان نگر، کاسبو، چوڑیو اور سوندر تک لے کر جاتے ہیں۔ واپسی میں وہ چائنا کلے لے کر نوکوٹ آتے ہیں، جو وہاں سے صوبہ پنجاب کے شہر گجرات جاتی ہے، جہاں اس سے مختلف اشیاء بنتی ہیں۔ ان کے مطابق آج بھی ایک کیکڑے کی قیمت 8 تا 10 لاکھ روپے ہے۔ اب زیادہ تر کیکڑوں میں نئے انجن نصب کیے جا چکے ہیں اور ٹائرز کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ پرانا انجن راکٹ کے نام سے مشہور تھا۔ ایک کیکڑا 300 من تک وزن اٹھا کر سفر کر سکتا ہے۔

نگرپارکر میں ایک بریفنگ کے دوران بتایا گیا کہ پاکستان پاورٹی ایلی ویشن پروگرام کے تعاون سے لوگوں کو چھوٹے قرضے بھی فراہم کیے جا رہے ہیں۔ پہلے مقامی لوگ

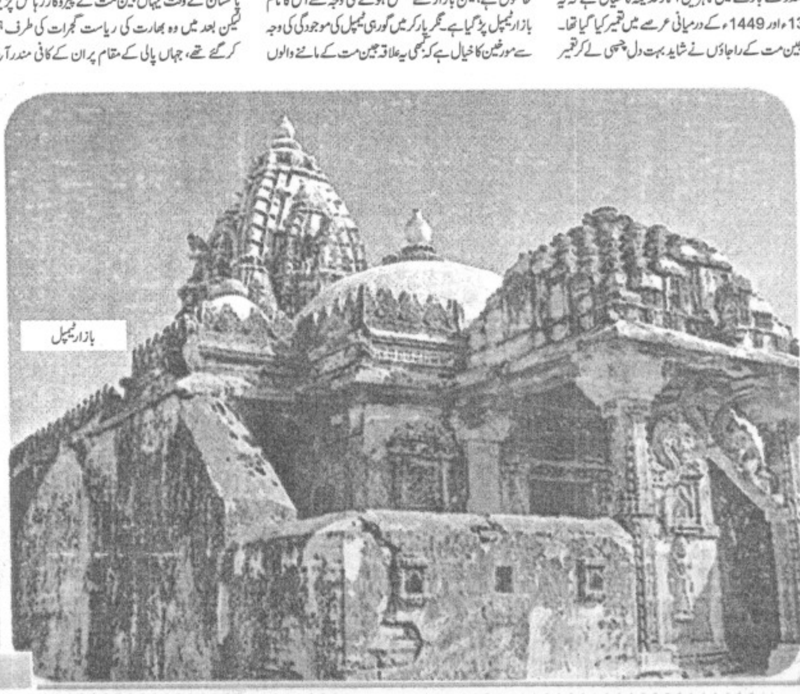

بازار ٹیمپل

فیچر

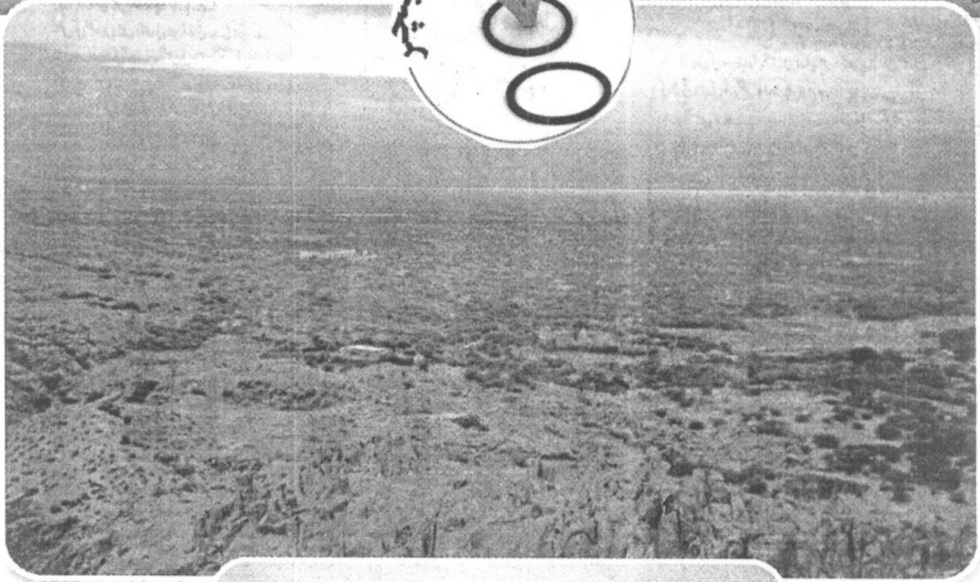

120 فی صد شرح سود پر ضرورت مندوں کو قرضے فراہم کرتے تھے، لیکن بانہہ بیلی لوگوں کو 15 فی صد شرح سود پر قرضے فراہم کر رہی ہے اور قرضوں کی واپسی کی شرح 99.9 فی صد ہے۔ یہ قرضے گروہوں اور برادریوں کو دیے جاتے ہیں۔ اس کے لیے ان کی مقامی انجمنوں سے معاہدے کیے جاتے ہیں اور قرضوں کی واپسی کی ذمے داری انجمنوں کے سپرد کی جاتی ہے۔ بتایا گیا کہ چمن اور روشنی ویلفیئر آرگنائزیشن نے اس طرح پیسے جمع کر کے تقریباً ڈھائی لاکھ روپے کی بچت کر لی ہے، جو متعلقہ برادریوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جا رہی ہے۔

مقامی لوگوں کے مطابق تھرپارکر میں ہر چار سال بعد بارش ہوتی ہے اور بارش کا اوسط 400 ملی میٹر ہوتا ہے۔ سکھ پور نامی گاؤں میں حال ہی میں 4 سولر پینلز نصب کیے گئے ہیں، جو مجموعی طور پر 400 واٹس بجلی دیتے ہیں۔ اس بجلی کی مدد سے یومیہ 7000 گیلن پانی کنویں سے موٹر کے ذریعے نکالا جاتا ہے۔ اس پانی کو 1500 جانور اور 200 خاندان استعمال کرتے ہیں۔ اس منصوبے پر کل 2 لاکھ 75 ہزار روپے لاگت آئی۔ وہاں ویول نامی شخص نے بتایا کہ اس میں سے 40 ہزار روپے پانی ذخیرہ کرنے کے لیے بنائے گئے ٹینک کی تعمیر پر اور باقی رقم سولر پینلز کی تنصیب پر خرچ ہوئی۔ اس منصوبے سے فائدہ اٹھانے والے لوگوں نے یہاں ایک شخص کو ملازم رکھا ہے، جس کی تنخواہ ادا کرنے کے لیے ہر گھر ماہانہ 150 روپے ادا کرتا ہے۔ بتایا گیا کہ تھرپارکر میں کئی مقامات پر پون چکیاں نصب کی گئی تھیں، لیکن وہ ناکام ثابت ہوئیں، کیوں کہ یہاں اپریل سے جولائی کے مہینے تک ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں، لیکن مون سون کے موسم میں ہوا چلنا بند ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر یہ بھی بتایا گیا کہ پورے تھر میں زیر زمین پانی میں فلورائیڈ کی مقدار کا مسئلہ موجود ہے جس کی وجہ سے یہاں کے لوگوں میں دانتوں، ہڈیوں، آنکھوں اور دماغ کے امراض کی شکایات موجود ہیں۔

سکھ پور میں بتایا گیا ماں اور بچے کی صحت کا مرکز بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ مرکز کے عملے کے مطابق علاقے میں ملیریا، خون کی کمی، کم زور بچوں کی پیدائش اور حفاظتی ٹیکے نہ لگنے کی وجہ سے ہونے والے امراض کی شکایات عام ہیں۔ خواتین کے مخصوص امراض کے کیسز بھی آتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف تعلقہ اسپتال میں کوئی لیڈی ڈاکٹر موجود نہیں۔ بنیادی مرکز صحت کے عملے میں کوئی خاتون موجود نہیں ہے۔ اس علاقے میں کم خوراکی کی وجہ سے صحت کے مسائل عام ہیں۔ جلدی جلدی ماں بننے کی وجہ سے خواتین کی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ یہاں زچگی کے 40 فی صد کیسز پے چیدہ ہوتے ہیں، یہاں زیادہ تر ولادتیں روایتی دائیوں کے ذریعے ہوتی ہیں۔ اگر اس دوران کوئی پے چیدگی ہو جائے تو زچہ اور بچہ کے بچنے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں اور ایسی صورت میں زچہ کو طویل فاصلہ طے کر کے مٹھی یا اس سے بھی آگے پہنچایا جاتا ہے۔

اون نامی گاؤں میں گرلز پرائمری اسکول کے دورے کے موقع پر پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ کی اچھی مثال دیکھنے کو ملی۔ بتایا گیا کہ تھرپارکر میں طلبا کے ڈراپ آؤٹ کی شرح کافی زیادہ ہے۔ آس پاس کے زیادہ تر گاؤں میں گاؤں کے تمام لوگ ناخواندہ ہیں، لیکن غیر سرکاری تنظیموں کی کوششوں سے بعض گاؤں کی لڑکیاں آج لیڈی ہیلتھ ورکرز بن چکی ہیں۔ تاہم تھرپارکر میں خواتین اساتذہ کی شدید کمی ہے۔ لڑکیوں کو عام طور سے پانچویں جماعت کے بعد تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی، جس کی ایک وجہ گھروں سے اسکولز کا کافی فاصلے پر واقع ہونا بھی ہے۔ یہ اسکول کمیونٹی کے تعاون سے چلایا جا رہا ہے اور یہاں صبح ساڑھے آٹھ بجے سے دن کے دو بجے تک تعلیم دی جاتی ہے۔

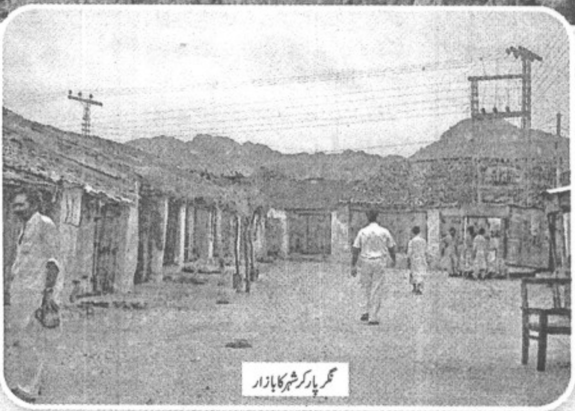

تھرپارکر شہر کا بازار

ماتو کا وانڈیا نامی گاؤں میں اراضی اور فطری وسائل کے پائے دار طریقے سے استعمال کی مثال دیکھنے کو ملی۔ یہاں بایو فیول کے حوالے سے معروف پودے جٹروفا کی کاشت کام یابی سے کی گئی ہے۔ سولر پینل کے ذریعے کنویں سے پانی حاصل کر کے ڈرپ اری گیشن کا کام یاب تجربہ بھی دیکھا گیا۔ مل جو وانڈیا نامی گاؤں میں کاشت کاری کا پائے دار طریقہ استعمال کر کے ڈھائی سو من پیاز کی کاشت کی گئی تھی۔ بتایا گیا کہ یہ اراضی پانی نہ ہونے کی وجہ سے استعمال نہیں ہو رہی تھی۔ ایک مخیر شخص نے یہاں کنواں بنانے، موٹر اور ڈیزل انجن خریدنے کے لیے رقم عطیہ کی تھی۔ اس رقم کی وجہ سے آج یہاں کاشت کاری ممکن ہو گئی ہے۔ 13.5 ایکڑ پر محیط فارم پر تھرپارکر میں روایتی طور پر پائے جانے والے بعض مفید پیڑ پودے بھی اگائے گئے ہیں، جن سے حاصل ہونے والی مختلف اشیاء انسانوں اور جانوروں کے استعمال میں آتی ہیں۔

تھرپارکر کی اراضی کی ساخت کے بارے میں پہلا سروے 1867ء میں اور پھر دوسرا 1932ء میں انگریزوں نے کیا تھا۔ یہاں پایا جانے والا گرینائٹ زیادہ تر تھرپارکر ٹاؤن کے قریب کارونجھر کے پہاڑی سلسلے کے شمال مشرقی خط کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے بعد بھوڈیسر، ڈنسے، واراوائی، دھید ویر وغیرہ میں یہ پتھر پایا جاتا ہے۔ کارونجھر کے پہاڑی سلسلے کا زیادہ تر حصہ سرمئی گرینائٹ پر مشتمل ہے۔ تاہم تھرپارکر میں گلابی گرینائٹ کا بھی وسیع ذخیرہ موجود ہے۔

ارضیاتی ساخت کے ماہرین کے مطابق ضلع تھرپارکر قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ اسلام کوٹ میں کوئلے کے وسیع ذخائر دریافت ہو چکے ہیں۔ تھرپارکر میں گرینائٹ اور نوکوٹ میں چائنا کلے کے ذخائر عیاں ہیں۔ رن کچھ کی جانب تیل اور گیس کے ذخائر ملنے کی امید ہے۔ اس کے علاوہ تھرپارکر کے بعض مقامات پر یورینیم کی موجودگی کے بارے میں بھی بعض ماہرین پُر امید ہیں۔

تعلقہ تھرپارکر میں کئی گھریلو صنعتیں روایتی طور پر اپنا وجود رکھتی ہیں اور بعض صنعتوں کے لیے یہ تعلقہ خام مال فراہم کرتا ہے۔ یہاں قالین، سوتی اور ریشمی شالیں، ہاتھ سے چلنے والی کھڈیوں پر بنائی جاتی ہیں۔ یہاں بڑی تعداد میں مال مویشی پالے جاتے ہیں۔ کبھی یہاں کے جنگلات سے بھاری مقدار میں شہد حاصل کیا جاتا تھا، لیکن درختوں کی بے دردی سے کٹائی اور جنگلات کو تباہ کیے جانے کی وجہ سے اب بہت کم مقدار میں شہد حاصل ہوتا ہے۔ یہاں ہر سال سلدرو، راما پیر، مت جی جویو، ماروی میلہ، غلام شاہ کلہوڑو، پیر حسین ہرار اور سید عالم شاہ کے میلے لگتے ہیں۔ برسات کے بعد ملک بھر سے بڑی تعداد میں لوگ یہاں کی خوب صورتی اور فطری مناظر دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ اس قدر قدرتی وسائل اور فطری مناظر سے مالا مال ہونے، علاقے کے دل چسپ اور تاریخی پس منظر اور اس کی منفرد ثقافت ہونے کے باوجود نہ جانے کیوں ہم قیام پاکستان سے آج تک اس علاقے کی اہمیت کو پوری طرح سمجھ نہیں سکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر یہاں موجود معدنیات کو پوری طرح استعمال کیا جائے اور سیاحوں کو اس جانب راغب کرنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں تو تھرپارکر کی ریت سونے کی طرح چمک اٹھے گی۔ مگر معلوم نہیں کہ ایسا کب ہوگا؟

غلطی سے سرحد پار کرنے والے پاکستانی نوجوان کے والدین کا نوحہ

مٹھی میں مختصر قیام کے دوران ایک دل خراش داستان سننے کو ملی۔ جمعہ بھیل اور اس کی بیوی بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ انہوں نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر اور پاؤں پڑ کر ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے مدد کی درخواست کی۔ یہ کہانی چھ برس قبل شروع ہوئی تھی، جب اس جوڑے کا 12 سالہ بچہ بہلاج غلطی سے سرحد پار کر کے بھارت کی حدود میں داخل ہو گیا تھا۔ ہندوؤں کی نچلی ذات بھیل سے تعلق رکھنے والے جمعہ بھیل کے مطابق بہلاج اس وقت پانچویں جماعت کا طالب علم اور مرگی کا مریض تھا۔ اسے ہر تین چار ماہ بعد مرگی کے دورے پڑتے تھے، جس کی وجہ سے دو تین روز تک اس کی دماغی حالت درست نہیں رہتی تھی۔ اس دوران وہ الٹی سیدھی باتیں کرتا، کبھی ہنستا، کبھی روتا اور راستہ بھول جاتا تھا۔ اسے فلمی اداکار بننے کا شوق تھا۔

جمعہ بھیل کا تعلق تحصیل ڈیپلو کے گاؤں کاٹھو سے ہے، جہاں سے بھارت کی سرحد 30 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جس روز یہ واقعہ پیش آیا، اس روز بہلاج معمول کے مطابق جانور چرانے کے لیے گیا تھا، لیکن گھر نہیں لوٹا۔ جمعہ بھیل نے شام سے اس کی تلاش شروع کی اور آس پاس کے گاؤں میں جا کر معلومات کیں، لیکن بہلاج کا کچھ پتا نہیں چلا۔ دوسرے روز بھی تلاش کا عمل جاری رہا لیکن کسی گاؤں سے اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ تب اس نے تھر میں بھٹک جانے والوں کی تلاش کے لیے روایتی طریقہ استعمال کرنے کا سوچا اور ایک ماہر کھوجی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس کھوجی نے بہلاج کا کھرا اٹھایا (یعنی اس کے قدموں کے نشان تلاش کیے) اور آگے بڑھتا گیا۔ بہلاج کے قدموں کے آخری نشان بھارت کی سرحد کے قریب تھے۔ اس طرح جمعہ بھیل کو یہ پتا چلا کہ بہلاج غلطی سے سرحد پار کر کے بھارت کی حدود میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد اس نے انڈس رینجرز کے حکام سے ملاقات کر کے انہیں پورا واقعہ سنایا اور مدد کی اپیل کی۔ رینجرز کے حکام نے بھارت کے رینجرز کے حکام سے تین چار بار بہلاج کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے لیے کہا، لیکن وہ تقریباً ایک برس تک اس واقعے سے لاعلمی ظاہر کرتے رہے۔ تقریباً ایک برس بعد بھارت کی جانب سے بہلاج کی بھارت کی بھج جیل میں موجودگی کی اطلاع دی گئی۔ دراصل بہلاج رن آف کچھ کی طرف نکل گیا تھا۔

اس کے بعد جمعہ بھیل نے بانہہ بیلی کے مٹھی میں واقع دفتر سے رجوع کیا اور اس تنظیم کے سربراہ اور سابق وفاقی وزیر جاوید جبار سے مدد کی درخواست کی۔ جس پر انہوں نے ہلال احمر سے رابطہ کیا تو پتا چلا کہ بہلاج کو بھج سے جموں کی جیل میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ پھر بھارت میں تعینات پاکستان کے سفیر سے رابطہ کر کے اس معاملے میں کردار ادا کرنے کی درخواست کی گئی۔ پاکستان کے سفیر نے متعلقہ کارروائی کرنے کے بعد تصدیق کے لیے دستاویزات پاکستان بھیجی تھیں، جو تصدیق کیے جانے کے بعد واپس دہلی بھیجی جا چکی ہیں، لیکن تاحال بھارت کی جانب سے اس ضمن میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی ہے۔ جمعہ بھیل کے مطابق اسے چھ برس میں بہلاج کے صرف دو خطوط ملے ہیں۔ اس نے آخری خط اکتوبر 2010ء میں اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اس غم زدہ باپ اور ماں کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان اور بھارت کی سرحد پر کوئی نشان نہیں ہے۔ تھرپارکر کے اختتام پر رن کچھ کا علاقہ ہے جو صحرا ہے اور وہاں دور دور تک کوئی درخت تک نظر نہیں آتا۔

سرحد کی نشان دہی کے لیے نصب کیے گئے ستونوں کے درمیان ایک تا ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے۔ ایسے میں کچھ پتا نہیں چلتا کہ کہاں پاکستان کی حدود ختم ہوئیں اور کہاں سے بھارت کی حدود کا آغاز ہوا۔ تاہم اب بھارت نے سرحد پر باڑھ لگانے کے کام کا آغاز کیا ہے۔ جمعہ بھیل نے تمام ذرائع ابلاغ، انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کام کرنے والی ملکی اور غیر ملکی تنظیموں، صدر مملکت، وزیر اعظم اور وزیر مملکت برائے امور خارجہ سے اپیل کی کہ ان کے بیٹے کی جلد از جلد وطن واپسی کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔

دورہ کرنے والی ذرائع ابلاغ کی ٹیم